U21073 1-12-09

Title – Jazbaat Hurriyat (Part-1)

Author – Murattiba Mushtaq Ahmad Meerut

Publisher – Hashmi Press (Meerut)

Date – 1340 H

Pages – 94

Subject – Urdu Shayari – Majmua Kalaam: Qaumi Nazmein.

۴۸۶

جذبات حرّیت

حصّہ اوّل

ل، حضرت اکبر الہ آبادی، سیّد الاحرار مولانا حسرت موہانی، علاّمہ
مولانا آزاد سبحانی، رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جوہر، فخر قوم مولانا
ل صاحب، پنڈت برج نرائن چکبست، لالہ لال چند صاحب فلک،
ل، نیاز فتحپوری، سیّد ہاشمی، وغیرہ حضرات کی دل ہلا دینے والی بہترین

قومی نظموں کا مجموعہ

مرتبہ منشی مشتاق احمد صاحب میرٹھی

مع دیباچہ

مصوّر فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

ناظم قومی دار الاشاعت شہر میرٹھ نے محلہ کوٹلہ سے

سنہ ۱۳۴۰ھ

ہاشمی پریس میرٹھ میں چھپوا کر شائع کیا

امرتبہ

قیمت ۸/

جذباتِ حرّیت

کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب۔ مولانا شوکت علی صاحب۔ ڈاکٹر کچلو صاحب۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی صاحب۔ مولانا عارف ہسوی صاحب۔ ڈاکٹر سیّد محمود صاحب وغیرہ حضرات نے بیحد پسند فرما کر مؤلّف کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ناظرین کی قدردانی اور حوصلہ افزائی سے دو ایڈیشن ختم ہو گئے اور تیسرے اڈیشن کا تقاضہ ہونے لگا۔ خاکسار مسئلہ خلافت کی اور دیگر بہترین کتابوں کی ترتیب میں مصروف تھا لیکن پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر تیسرا اڈیشن سابقہ حالت میں ہی شائع کر رہا ہے۔ عنقریب جذبات حرّیت کا دوسرا حصّہ آپکی خدمت میں پیش ہوگا۔ امید ہے کہ اسمیں اور بہترین نظمیں آپکو ملینگی۔

راقم

وقار احمد۔ محلہ کوٹلہ شہر میرٹھ

تقریظ از حضرت مولانا محمد عبد الماجد صاحب قبلہ بدایونی مدظلہ العالی

ہندوستان کے قومی ذوق کا یہ عہد جدید اگرچہ ابھی تک مستقل و کامیاب ادبیات کے زمرہ سے الگ نہ
کیا جائے اور ایک زندہ قوم کے آثار کے لئے جس استحکام و یکرنگی و پختگی خیالات کی ضرورت ہے
ویسا نہ بھی مانا جائے تاہم یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ایک کافی حد تک ہندوستان میں
اور بالخصوص مسلمانوں میں گذشتہ عہد تعیش کے لحاظ سے ایک حد تک مذاق قومی، و ادبیات جذبات
نیز دور میں و نشر خیالات ترقی و اصلاح خیر کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس وقت یہ فیصلہ ہمارے لئے فرض نہیں
اس ابتدا میں مذہبی طور پر علمائے میلاد و مناجات و وداعیہ حمد و نعت اور فقرائے تصنیف
حکایات سے میدان سبقت لیا یا مولانا حالی یا مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس
سلسلہ میں پہلے کمند ہمت پھینکنے کا سہرا سبقت ہوئی اور ایک خاص حرکت پیدا ہوئی جس نے ثابت کر
دیا کہ قوت نظم سے صرف مضامین تغزل مدح ارباب دنیا یا ظرافت و تفنن کا ہی کام لینا ایک روشن
لیاقت کو ریت میں دبا دینا ہے اور ایک شفقانہ جوش قابو درات کا ڈال دینا۔ صحیح ادراک و نیک
خیالات رکھنے والی طبیعتیں ادبیات کے میدان میں ظہور پذیر ہوئیں اور قومی اصلاح و فلاح کے لئے جو
قدرتی اثر نظم کو بخشا گیا ہے اس سے بھی کام لیا جانے لگا۔ اثر فطرت کے مطابق تھا اور کام طبیعت
صحیحہ کے مقتضیات کا۔ لہذا قبول نے آغوش وا کی اور حمایت قومیہ نے لبیک کی صدا بلند کی
قومی و تعلیمی و مذہبی مجالس میں واعظین و مقررین کی فہرست میں قومی و ملکی و مذہبی شعرا کا نام بھی
لکھا جانے لگا۔ خطیب کے ساتھ ادیب بھی نظم اصلاحی کی غزل مسدس وغیرہ وغیرہ سناتا نظر
آتا رہا۔ قومی اخبارات کو بھی جب جذبات کی جلاء و تربیت منظور و مقصود ہوئی تو ان کا سر نامہ
بھی نظم قومی کے روشن طغرا سے منور و ضیا بخش ہوا کیا۔ یہ احساس قوم میں نسبتاً جلد پیدا ہوا اور

پھر جلد روشناس ہو گیا۔

سب کو معلوم ہے کہ قریب تر گذشتہ جنگ طرابلس و جنگ بلقان کے دوران میں ہندوستان کے
اخبارات و مجالس میں جس چیز نے خصوصیت سے قلوب کو گرمانے اور تڑپانے میں مدد کی وہ نظم
جذبات ہی کی قوت تھی اور یہی وہ قوت تھی جس میں اہل اردو شعراء داد یار سے حق و صداقت
و حریت کے جذبات کی صحیح ترجمانی ادا کی اور اسی قوت نے ہندوستان کے محیط میں عام و خاص
تک آواز حق و کلمہ صداقت کو پہونچایا کتنے دل ہیں جو اب تک صرف ان نظموں اور شعروں
کی لذت درد لیا کرتے ہیں جن کو اب سے پانچ یا چھ سال قبل سنا اور پڑھا تھا اور کتنی روحیں
ہیں جو آج ان تمام منظومات کے لئے بیقرار ہیں جو خاص خاص حوادثات پر شاعر کے دل و دماغ سے
بذریعہ روح القدس بلکہ بہ تحریک غیبی اور آورد جبروت و ملکوت الٰہی ہو کر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ چونکہ ایسی نظمیں یا
ہر خاص حالات اور اوقات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف اوقات و مختلف
جرائد و مختلف صحبتوں میں ان کا نشر و اظہار ہوتا ہے اور ایک ساتھ ایک شخص کو ان کا
حصول ایک وقت میں مشکل و وقت طلب بن جاتا ہے۔

عزیزی منشی مشتاق احمد صاحب میرٹھی نے (جن کی زندگی خدمات قومی میں گذر رہی ہے
اور وہ خود کو اپنے ایثار خدمت سے ایک نوجوان باہمت خدمت گذار ملک و قوم ثابت کر رہے
ہیں) اس قسم کی اکثر اور بہتر نظموں کو کافی تلاش کے بعد جمع و فراہم کر کے ایک مجموعہ تیار کیا ہے
جس کو آپ پڑھ رہے ہیں اور جس کی تعارف میں یہ فقیر چند سطور عزیزم مکرم کے اصرار سے حاضر
کر رہا ہے۔

عبد الماجد القادری بدایونی

تقریظ از مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

جذبات حریت

اس نام کا ایک مجموعہ جس میں ہندوستان کے اکثر نامور حضرات کی نظمیں ہیں جناب مشتاق احمد صاحب میرٹھی نے مجھکو دکھایا۔

تمام مجموعہ کو تفصیل و غور سے پڑھنے کی فرصت نہ تھی۔ سفر کے لئے دست بہ ٹکٹ بیٹھا تھا۔ سرسری نظر سے عنوانوں کو دیکھا۔ کہیں کہیں سے اشعار بھی اس واسطے حقیقی تقریظ کا حق ادا کرنا مشکل نظر آیا۔

علاوہ ازیں میں نہ شاعر نہ فن نظم میں کچھ شعور مؤلف صاحب کی نیک کمائی کا احترام ہے چند سطریں لکھدیں ورنہ کجا اس اعلیٰ پایہ کی نظمیں اور کجا میں پراگندہ حواس۔

مجموعہ کا نام رہنمائے حریت رکھا جاتا تو صحیح ترجمانی ہوتی کہ اس قسم کی چیزیں انسان کے احساس حریت و خودداری کو بیدار کرکے بلند ہونے اور آگے بڑھنے کا راستہ بتاتی ہیں۔

یہ مجموعہ ایسے وقت میں شائع ہو رہا ہے کہ ہندوستان میں حریت

آغوش مادر سے اتر چکی ہیں۔ تتلائی ہوئی زبان سے اس نے بولنا اور کیفیات قلب کو پیاری مگر ٹھیک طرح سمجھ میں نہ آسکنے والی زبان میں بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ حضرت اکبر الٰہ آبادی کا ایک شعر اس مہینے میں کہیں شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ گاندھی کی نثر نے اس قدر ہر دل عزیزی حاصل کر لی ہے کہ اب اکبر کو نظم لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مگر میرا خیال ہے کہ ملک کے ایک بڑے حصہ کی رہنمائی جذبات و خیالات نظم کے بغیر ناممکن ہے۔ خصوصاً ایشیا اور ہندوستان اور مسلم قوا کو تو نظم سب ملکوں سے زیادہ حرکت میں لایا کرتی ہے۔ آج جو اثر جی حریت اور آزادی کے سمندر کی موجوں اور انقلاب کی لہروں کی طرح فضائے ہند میں جنبش کر رہی ہے وہ سب اکبر الٰہ آبادی اور ڈاکٹر اقبال کی نظموں کا طفیل ہے۔

اس معاملے میں مجدد اعظم حضرت اکبر[۱] ہیں جنھوں نے غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد سے لیکر آج تک کوئی موقعہ ملکی احساس و جذبات کو نظموں کے ذریعے سے بیدار کرنے کا باقی نہیں چھوڑا اور اب بھی باوجود کبر سنی اور ناتوانی کے ان کی ذہنی بجلیاں اسی تیزی سے چمکتی نظر آتی ہیں۔ حضرت اکبر کے بعد ڈاکٹر اقبال کا درجہ ہے جن کے فلسفہ

[۱] افسوس کہ حضرت اکبر اس جہان سے رحلت فرما گئے۔ خداوند کریم مغفرت فرمائے۔

آمیز کلام نے ہندو مسلمانوں میں اصلی حیات حریت کی روح پھونکی باقی شعرا سب ان ہی آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں ہیں۔

اس مجموعہ میں حضرت اکبر اور ڈاکٹر اقبال کے کلام کا بہت معقول اور خاصا مستعد ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے اور دیگر شعرا کا کلام بھی مولف کے انتخاب کی عمدگی کو ظاہر کرتا ہے مشتاق احمد صاحب میرٹھی جو اس مجموعہ کے مؤلف ہیں ایک عملی مسلمان ہیں۔ انھوں نے اپنی معیشت کے ایک مطمئن مشغلے کو موجودہ تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں خیرباد کہہ کر یہ قومی خدمت اور حصول معاش کا ذومعنی طریقہ بہت مناسب تجویز کیا ہے۔ میں ہر مسلمان کو اور ہر ہندوستانی کو ایسے ہی مفید علمی مشاغل میں دیکھنا ملک کی ترقی کا موجب سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تمام ہندوستان میں اس کی قدردانی ہوگی اور اہل ذوق ہاتھوں ہاتھ اس کو خریدیں گے اور فیاض لوگ بے استطاعت لوگوں میں خرید خرید کر مفت تقسیم کریں گے۔

حریت کا جذبۂ نشر

جذباتِ حریت کی تقریظ کا اثر دیکھئے قلم اقتدار کثرت کی اسیری میں مقید لکھ رہا تھا کہ اس کی آنکھ میں یکایک وحدت کا خمار پیدا ہوا اور اس خمار

سے آزادی کے سُرخ ڈورے نمودار ہوئے۔ ان ڈوروں پہ حسرت حریت آنسو بن کر آئی اور کاغذ پر حریت کا جذبہ نثر میں لکھا ہوا نظر آنے لگا۔

دیکھا تو چند آہوں کے نقوش تھے۔ آہ کہہ کر آہوں کا سینہ چاک کیا تو اندر سے ہزاروں بے قراریوں کا مواد اُبل پڑا۔ زخم بہ چکا تو ناسور کی گہرائی نظر آئی۔

یہ کس قدر خوفناک ہے۔ یہ کتنا تکلیف دہ ہے۔ جس دل و جگر پہ یہ بیتا ہو وہ کیونکر جیتا ہو گا۔ اس کو سورج کی روشنی۔ چاند کا نور۔ فضا کی آزاد اور خود مختار ہوا کس طرح چین لینے دیتی ہو گی۔

کائنات میں ہر شے حُر ہے۔ ہر مخلوق کو آزادی و حریت حاصل ہے آسمان کسی کا تابع دار نہیں۔ اس کے ستارے اگرچہ فطرتاً اللہ کے قانون پر چلتے ہیں مگر کسی اپنی جنس کی اطاعت ان پر واجب نہیں ہوا آزاد مطلق ہے۔ پانی کو کسی پانی کی ماتحتی سے سروکار نہیں آگ اپنی خودی کی خود مالک ہے۔

عناصر سے جو صورتیں جاندار و بے جان بنی ہیں وہ بھی سب اپنی جنس کی خود مختار ہیں اور حیاتِ خود اختیارانہ رکھتی ہیں۔ فاختہ مظلوم مشہور ہے کوّا اس کو ستاتا ہے۔ مگر وہ بھی کوّے کی محکوم نہیں ہے۔

بینڈک کو سانپ کو مور۔ مور کو آدمی ہلاک کر ڈالتا ہے مگر یہ نہیں دیکھا کہ ان میں سے کوئی کسی کا زیر فرمان ہو اور بغیر حکم فرمانروا کے زندگی کا کوئی سانس نہ لے سکے۔

کمزور اور راہگیروں کے پیروں میں کچلی جانے والی چیونٹی بھی حریت کی تاجدار ہے کوئی اس کا ہم جنس حاکم نہیں۔ ایسا جو اُس کی جنس کی آزادی کا مالک ہو اور جس کی مرضی کے بغیر وہ خدا کی زمین پر حرکت نہ کر سکے۔

مگر آدمی حریت سے محروم ہے اس کا دعویٰ اشرف المخلوقات جب اپنی اس پابندی کو دیکھتا ہے تو آہ کہہ کر کلیجہ تھام لیتا ہے اور اس نے اس کے دل و جگر میں یہ ناسور ڈالا ہے جو گھڑی گھڑی اندر ہی اندر انسان کے اطمینان و تسکین کو دکھ دیتا ہے اور کسی گھڑی چین نہیں لینے دیتا۔

غیب کی صدا آتی ہے کہ اب مرہم بھیجا جائے گا۔ اب ناسور کے بھرنے کا زمانہ آ ئے گا۔

جو سنتا ہے وہ مایوسی کے عالم میں پوچھتا ہے۔ الٰہی وہ کب آئے گا وہ کیوں کر ہو گا۔ اس سے کہو مایوس نہ ہو۔ جذبات نظم میں سامنے آیا۔ نثر میں صورت دکھائی۔ عمل میں بھی ان کے جلوے نظر آرہے ہیں

اور یہی وہ آئینہ ہے جس میں اصلی و پوری حریت کی تصویر جو

مرہم ناسور ہے نظر آسکتی ہے۔

حسن نظامی

جذبۂ حریت

علامہ اقبال

ہویدا آج اپنے زخمِ پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

دکھا دوں گا میں اے ہندوستاں رنگِ وفا سب کو
کہ اپنی زندگانی تجھ پہ قرباں کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ پنہاں سے
تری ظلمت میں میں روشن چراغاں کر کے چھوڑوں گا

نہیں سوجھے وحشت میں اڑانا خاکِ زنداں کی
کہیں اس خاک سے پیدا بیاباں کر کے چھوڑوں گا

شریکِ محنتِ زنداں ہوں گر یوسف صفت خود بھی
مگر تعبیرِ خوابِ اہلِ زنداں کر کے چھوڑوں گا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دلِ درد آشنا پیدا
چمن میں مشتِ خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

ابھی مجھ دل جلے کو ہم صفیرو اور رونے دو
کہ میں سارے چمن کو شبنمستاں کر کے چھوڑوں گا

مجھے اے ہمنشیں رہنے دے شغلِ سینہ کاوی میں
کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا

اگر آپس میں لڑنا آج کل کی ہے مسلمانی
مسلمانوں کو آخر نامسلماں کر کے چھوڑوں گا

اٹھا دوں گا نقابِ عارضِ محبوب یکرنگی
تجھے اس خانہ جنگی پر پشیماں کر کے چھوڑوں گا

دکھا دوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورتِ آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو تیرا اور دکھاتا کا ہے اس نے میری پہلو کو
تمہی افتاد نے توڑا ہے سیکڑوں دست و بازو کو

فریاد

جناب قیصر دہلوی

اجاڑ کر مرا گلشن سے آشیاں صیاد
رہیگا تو بھی نہ دنیا میں شادماں صیاد

سنبھل کہ گرتی ہیں اب تجھ پہ بجلیاں صیاد
گئی ہے آہِ رسا سوئے آسماں صیاد

زبانِ حال سے کچھ تو ہمیں بھی کہنے دے
گلا نہ گھونٹ ذرا کھول انگلیاں صیاد

وفا شعار ہے تیرے کہ جان نثار رہے
اس آس پر کہ تو ہے اپنا قدرداں صیاد

کرم کے بدلے جو ہوتا ہے اب ستم ہم پہ
یہی تھا قول ترا تھی یہی زباں صیاد

صلہ وفا کا ترے در سے یہ ملا ہم کو
کہ آج لٹتا ہے ہستی کا کارواں صیاد

قصور کس کا ہے خود سوچ لے ذرا دل میں
زمانہ کس پہ اٹھاتا ہے انگلیاں صیاد

کچھ اپنے وقت کی بھی یادگار رہنے دے
مٹے ہوؤں کا مٹاتا ہے کیوں نشاں صیاد

یہ یاد رکھ کہ خدا کو بھی منہ دکھانا ہے
ستم تو جو ترا جی چاہے کر یہاں صیاد

خدا کرے نہ پھلے نخل آرزو تیرا
مٹائے گلشن جو حسن ہوا خزاں صیاد

وہ دن گئے کہ ہمیں زندگی کی حسرت تھی
فضول قتل کی دیتا ہے دھمکیاں صیاد

غضب کی ہیں تیری جادو بیانیاں قیصر
کہ اپنی بھول گیا لنترانیاں صیاد

درسِ وفا

جناب نیاز فتحپوری

ظلم یہ ہے کہ قلب میں شورشِ مدعا نہ ہو
آہ نہ ہو فغاں نہ ہو شیون برملا نہ ہو

قطعِ رگِ گلو بھی اذنِ تپش نہیں ہمیں
خوف یہ ہے کہ داغدار انکی کہیں قبا نہ ہو

سی دیئے ہونٹ تاکہ یہ جسارتِ گفتگو مٹے
ہاتھ ہے قطع تاکہ پھر نازشِ دعا نہ ہو

ان کے حضور میں ہمیں عرضِ وفا کا شوق ہے
ان کو یہ زعم ہے کہ لب واہ کہیں ہلا نہ ہو

انکا وقارِ ہجر ورنہ رخصتِ گفتگو نہ دے
لب پہ ہزار درد کا کوئی لئے فسانہ ہو

کرتے ہیں ذبحِ عام وہ اور غرض ہے اسقدر
بابِ حرم پہ کوئی سر پھر کبھی جبہ سا نہ ہو

ان کو روا ہے غرتیں ساری ملا دیں خاک میں
حقِ عبودیت اگر ہم سے کبھی ادا نہ ہو

ان کی جفائیں تو ہمیں وجہِ ملال تھیں کبھی
اپنا نیاز بھی انہیں جور کا اک بہانہ ہو

چھوڑیں نہ وہ کلی تلک اور ہمارے واسطے
حکم ہے پھونک دو اگر باغ میں آشیانہ ہو

کیسی امیدِ دل وہی کیسی توقعِ کرم
جبکہ زباں ہی واقفِ لذتِ التجا نہ ہو

ریش سے داغدار ہو لاکھ ہلال کی جبیں
دستِ صلیب سے ہمیں اس کا مگر گلہ نہ ہو

انقلابِ حریت

سیّد ہاشمی فرید آبادی

بہت سمجھا کیا میں صبر و خاموشی کو دانائی
بہت کہتا رہا کچھ کر نہ سکنے کو شکیبائی

بہت دن ذلتوں کو مصلحت جانا کیا لیکن
بس اب اے ہمنشیں میری طبیعت جوش پر آئی

بھڑک ہے نبض میں پیدا تڑپ ہے قلبِ مضطر میں
نفس میں سانپ کی پھنکار ہے بھوبل کی گرمائی

لہو غیظ و غضب کا آنکھ کی رگ رگ سے ہو نکلا
گرا جب خاک پر کٹ کر مرا اعشما تو بھی بھائی

کلیجے پر لگا گھونسہ جگر پر چل گئے آرے
بجوشِ سیلِ موجِ خون میرے سینے سے ٹکرائی

تپِ غیرت کی آتش سے مرے احشا میں بھڑک اٹھی
سماں خوابِ ذلت جھٹک گیا یوں جس طرح کائی

مرے ہر سانس سے اک انقلابِ حریت اٹھا
مرے ایک ایک رونگٹے نے حمیت کی قسم کھائی

بیک ہیجانِ جنوں پارہ ہوا ملبوسِ نامردی
مجھے خود اعتمادی نے پہنایا تاجِ دارائی

بس اب میں اپنے ملکِ نفس کا سلطانِ مطلق ہوں
بس اب ہے آج سے آغاز میری کارفرمائی

مصر اور ہندوستان کے مسلمان

علامہ اقبال

کل ایک شوریدہ خواب گاہِ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

یہ زائرانِ حریمِ مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

غضب ہیں یہ مرشدانِ خودبیں خدا تری قوم کو بچائے
مسافرانِ حرم کو ظالم رہِ کلیسا دکھا رہے ہیں

بتائیں کیا زندگی گزرتی ہے ہند کے بتکدہ میں کیسی
قتیلِ جور و جفا رہے ہیں شکستہ سینہ نزار و زار رہے ہیں

فریبِ تہذیبِ نو میں آکر جنہوں نے اپنا شعار چھوڑا
زمانہ کی رہگزر میں پامال صورتِ نقشِ پا رہے ہیں

سنے گا اقبال کون ان کو یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانہ میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

عرض

علامہ اقبال

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آزری

میں نوائے سوختہ در گلو تو پریدہ رنگ رمیدہ بو
میں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری

مرا عیش غم مرا شہد سم مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم گروِ عجم ترا دیں خریدۂ کافری

تری راکھ میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

دعا

علامہ اقبال

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّہ کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

آتش بنفشی جس کی کانٹوں کو جلا ڈالے
اس بادیہ پیما کو وہ آبلہ پا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خودداریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے

بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

سنت سجّاد

حضرت علامہ فاخر الہ آبادی - بزمانہ قید

آنکھ ہے محو تجلّی وصل سے دل شاد ہے ۔۔۔ قید میں بھی طبع بیخود ہر طرح آزاد ہے
بیڑیاں مجھکو پہننے میں ذرا ذلت نہیں ۔۔۔ باپ دادا کا طریقہ سنّت سجّاد ہے

ہندوستان سے خطاب

نامعلوم

سنا ہے درد دل رکھتا ہے ای ہندوستاں تو بھی ۔۔۔ جگر کے خون سے دیکھتا ہے پلکوں کا نشاں تو بھی
جہاں سر پر اٹھایا بلبلوں نے اپنے نالوں سے ۔۔۔ دکھا انداز محشر ہو کے سرگرم فغاں تو بھی
ستم پنجاب میں جو تیرے بچوں پر ٹوٹے ہیں ۔۔۔ بہت کچھ سن چکا ہے انکی رنگین داستاں تو بھی
دکھا اپنے جگر کا داغ جو شرمائے سورج کو ۔۔۔ بتا مشرق کو مغرب اور زمیں کو آسماں تو بھی
غلط انداز ہیں صید افگنوں کے دام نا کس ۔۔۔ نکال اک تیر ترکش سے کہ رکھتا ہے کماں تو بھی

سنی ہے ہم نے شن پال سے گرجا کے گھنٹے کی
بجا مندر میں سنکھ اور مسجدوں میں دے اذاں تو بھی

یہ کیسا دیس ہے جس دیس کے ہم رہنے والے تھے ۔۔۔ گرفتار بلا ہیں اور خطا یہ ہے کہ کالے ہیں
غنیمت تھا قفس میں بال و پر کا پھڑپھڑا لینا ۔۔۔ مگر صیاد نے قسمت پہ بھی زنجیر ڈالے ہیں

چمکتے ہیں ہمارے داغِ دل اس طرح رہ رہ کر
لہکتے جس طرح اودے سے خیابانوں میں لالے ہیں

پڑے تھے پاؤں میں گاندھی کے جو صحرائے غربت میں
ہمارے یہ درخشاں داغ ہائے دل وہ چھالے ہیں

خونِ شہیداں

۹۱۱۱

ایک فلاسفر کے قلم سے

نہیں مٹتا نشانِ خون کبھی دامانِ قاتل سے
لکھی جاتی ہے اک تحریرِ خونیں خونِ بسمل سے

چھلکتا ہے یہ آنسو بنکے چشمانِ پشیماں سے
عیاں ہے آب گوہر بنکے لعلِ بدخشاں سے

اسی کا ایک قطرہ بحر کو خوناب کرتا ہے
یہی گردش میں آ کر قلب کو بیتاب کرتا ہے

شفق بنکر فلک پر روز و شب موجود رہتا ہے
اسی سے دامنِ چرخِ کہن آلودہ رہتا ہے

یہی مے بنکے رہتا ہے سدا لالے کے پیالے میں
اسی کا نور روشن ہے اندھیرے میں اجالے میں

یہی رنگِ حنا بنکر کسی دستِ ستم میں ہے
یہی گلگونہ بنکر رنگِ رخسارِ صنم میں ہے

دہانِ زخم سے یہ کرکے پیدا رنگ لاتا ہے
کہ سیرابی سے اس کی باغِ عالم لہلہاتا ہے

یہی خون سینچتا ہے نخلِ بربادِ تمنا کو
اسی سے زندگی ملتی ہے قالبہائے بیجاں کو

غذا پاکر اسی سے کشتِ قومی پھول لاتی ہے
یہی وہ سوت ہے جس سے یہ دنیا جان پاتی ہے

انہی خسوں کے نشان ملتے ہیں قوم کی ترقی میں
جھلک اس کی نمایاں ہے ہر ایک جانباز ہستی میں

تعجب کیا ہے گر خون شہیداں کچھ دکھا جائے
تن بیجاں میں شاید پھر بہار سے جان آجائے

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بانگ جرس

مولانا آزاد سبحانی

مریض حسرت جی رہا ہے فریب ایمائے ناز کھا کر
وہ آج رخصت ہوئے ہیں سب سے جو اپنا عرض نیاز پا کر

محبت اگر ہے خطا ہے کا بھی جرم کرنا تھا ہی کیوں پی
تجھے نہ آنا تھا ہوش غافل ساغر آتشیں چڑھا کر

دوائے عیسیٰ کی فکر کیا ہے مریض غم بھی تو چاہیے جینا
جو زندگی مختصر رہے ہیں وہ موت سے ہوش کی دوا کر

اٹھو اٹھو سو رہے ہو ناحق پیام بانگ جرس تو سن لو
پہونچو کہ کوئی بلا رہا ہے نشان منزل دکھا دکھا کر

خبر کسی کو نہیں کسی کی بنائے کیونکر مراد جی کی
ہیں وہ اسکی تلاش میں ہیں وہ محو حیرت ہیں پاس آکر

وہ ترک مدعا بگڑ گیا ہے کہ مور قیبوں سے خیر مانگیں
قضا کی تلوار کھینچ چکی ہے قسم شہیدان غم کی کھا کر

یہ کشمکش بھی عجب ستم ہے ادھر خدا ہے ادھر صنم ہے
ادھر ہے اک بے نقاب جلوہ ادھر تجلی ہے منہ چھپا کر

یہ تیغ پھر آج کیوں کھچی ہے یہ خون منتظر ہے کس کا
وہ کون عالم میں رہ گیا ہے جو آج ہوگا شہید آکر

متاع دیرینہ مٹ چکی ہے امید نومیدی وفا کی
اسیر آزاد ہو چکا ہے قلادہ زندگی ہٹا کر

شمشیر بکف پایا خنجر بہ کمر دیکھا

حضرت اکبر الہ آبادی

گردوں نے کبھی ستم سے اجڑا ہوا گھر دیکھا
اب آنکھ اٹھاتا ہے ایمان کی بربادی

تقدیر مخالف ہی تدبیر ہوئی قاصر
تدبیر ہی اچھی تھی تقدیر سے تھے جھگڑے

اس عہد میں اے اکبر بس اس کو ولی سمجھا
دنیا کی زینت ہی عقبیٰ کے ہیں وہ وعدے

جیتے ہیں انہیں کی تھی عزت کہ جنہیں سمجھے
دریا میں رہے ڈوبا سوتی ہیں تب آئی

دیکھا تو نہ جاتا تھا آتا یا، مگر دیکھا
اس بت کی نظر دیکھی اور اس کا اثر دیکھا

ممکن تھا جو کچھ ہم سے سب کچھ وہ کر دیکھا
ترک اس کو کیا ہم نے جس شے میں شر دیکھا

تھوڑا سا بھی کچھ جس میں اللہ کا ڈر دیکھا
غافل نے ادھر دیکھا عاقل نے ادھر دیکھا

شمشیر بکف پایا خنجر بہ کمر دیکھا
بینا ہوئی آنکھ اس کی جب اشک تر دیکھا

بے چین ہے دل زاغِ حسرت کی اچھلنے سے
امید کی شاخوں کا آخر ثمر دیکھا

تو وضع پہ اپنی قائم رہ قدرت کی نگہ تحقیر نہ کر
گو تیرا عمل محدود ہے اور اپنی ہی حد در
باطن میں بھی کر ضبط فغاں اپنی نظر سے رلا
تو خلق میں مل اور الگ بھی رہ جب شب بنی تب کا

دے پائے نظر کو آزادی خوش بینی کو زنجیر نہ کر
رکھ ذہن و ساعی قدرت کا نہ آپ ذرا تغییر
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر
ان خاموں سے عنصر پہ بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

دعوتِ درد

جناب نیاز فتحپوری

اٹھ دلِ راحت طلب پیدا سرِ شوریدہ کر
آپ بھی غم دیدہ ہو اوروں کو بھی غم دیدہ کر

پھونک دے محفل کو اپنے شعلۂ آواز سے
گرمیِ ہنگامہ سے ہر قلب کو تفتیدہ کر

سرمہ آسا اہلِ غفلت کی نگاہوں میں سما
ذرۂ ہستی کو اپنی اور بھی سائیدہ کر

شور پیدا کر جہاں میں نالۂ بیتاب سے
زخم ہائے سینہ کو اپنے نمک پاشیدہ کر

کر کے عریاں شمعِ ہستی کو دکھا اس کا فروغ
یعنی تارِ شعلۂ غم جامۂ بوسیدہ کر

ہاں زمانہ دیکھ لے رفعت تری شکلِ ہلال
اور بھی اپنے تنِ کاہیدہ کو کاہیدہ کر

کارواں کی چشمِ خوابیدہ کا ہو جا درد تو
جب وہ سرگرمِ تگاپو ہو تو بن جا درد تو

ساقیا پھر جلوہ پیرا ہو اسی انداز سے
زندہ کر دے اہلِ محفل کو اسی اعجاز سے

طائرِ سدرہ ہماری خستگی پر کر نظر
زور بازو گھٹ گیا پر رہ گیا پرواز سے

جھانک لے پھر پردۂ بربادی سے ذرا
پھر سکھا طرزِ فغاں چشمِ نوا پرواز سے

وہ حدی خوانوں کے نغمے وہ سرِ بازار آہ
ہو گئے ناآشنا اپنے پرائے ساز سے

ہمنوا ہوں غیر کا میں بھی بھلا ممکن کہاں
جب کراہا تک نہیں جاتا یہاں آواز سے

محو کر دل سے خطا دلدادگانِ حسن کی
روٹھتا ہے یوں بھی کوئی عاشقِ جانباز سے

سر اگر ہم کو دیا ہے سرفروشی بھی سکھا
اے عنایت کی تو پھر وارفتہ ہوشی بھی سکھا

مسلم خوابیدہ

دولتِ دنیا نہ لے ہاں دولتِ اسلام لے
اپنے علم و فضل کی کرتی عمارت تھام لے

فیضِ اشراق لدنّی ہے تری تخمیر میں
اپنی فطرت سے کچھ اے ہستی سے غافل کام لے

یا علَم بردار علم و فضل بنکر نام کر
یا نہ پھر غرناطہ و اشبیلیہ کا نام لے

ہے اثر وّ وانی و رازی کا تیری خون میں
اس سے اٹھکر کام لے اور داد فیضِ علم لے

ہے فضائے دہر ذکر و شغل سے پُر صبح دم
مسلم خوابیدہ اٹھ تو بھی خدا کا نام لے

مقصدِ حیاتِ مسلم

جناب مولانا اسلم جیراجپوری

دہر میں مسلم ہے حق کی آزمایش کے لئے
تمغۂ ایماں نہیں ملتا نمایش کے لئے

کھول اس عبرت کدہ میں دیدہ تحقیق کو
دیکھ زندان بلا میں یوسفِ صدیق کو

یہ مشہور نظم مولانا اسلم صاحب جیراج پوری نے مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی صاحبان کے نظر بندی سے رہا ہونے کے بعد علیگڑھ آنے پر پڑھی تھی۔

گریۂ صبر آزمائے حضرتِ یعقوب دیکھ — روح فرسا ابتلائے یونس و ایوب دیکھ
سرورِ دیں سیدِ کونین محبوبِ خدا — دشمنوں کے جورِ پیہم سے ہوئے گھر سے جدا
سرزمینِ کربلا کی سمت بھی کر لے نگاہ — خاک و خوں میں دیکھ لے نعشِ حسینؑ بے پناہ
آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم — جانچ ہوتی ہے انہی کی جن پہ ہوتا ہے کرم

اس کسوٹی پر کھرے کھوٹے کی ہوتی ہے تمیز
جھیل کر زنداں کی سختی ہوتے ہیں یوسف عزیز

کشتیِ حق اب ہے طوفانِ حوادث میں پڑی — امتحاں کا وقت ہے اور آزمائش کی گھڑی
مسئلہ نہیں کوئی یہ شوکت اور محمد کا سوال — آ رہا ہے شوکتِ دینِ محمد پر زوال
آ پڑا ہے ملتِ بیضا کو ہے مٹنے کا ڈر — اس کی ہستی ہو رہی ہے موردِ خوف و خطر
حاملِ بارِ امانت ملتِ اسلام ہے — اس سے قائم آج دنیا میں خدا کا نام ہے
شاہدِ اقوامِ عالم ہے یہی خیر الامم — فرض ہے اس کا کہ یہ حق پر رہے ثابت قدم
زندگیِ مسلم کی ہے حق کی حمایت کیلئے — شمع ہے وہ سارے عالم کی ہدایت کے لیے
سختیوں پر سختیاں غیروں کی وہ سہتا رہے — امرِ حق جو کچھ ہے اس کو برملا کہتا رہے
حق پرستوں کیلئے راحت یہی آزار ہے — آتشِ نمرود ابراہیم پہ گلزار ہے
نا امیدی رحمتِ حق سے ہے ایماں کا قصور — ٹل نہیں سکتا ہے ہرگز وعدۂ اتمامِ نور

مولانا شوکت علی

نورِ حق شمعِ الٰہی ہے بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہے خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

مولانا محمد علی

خیر مقدم طبّی وفد ڈاکٹر انصاری صاحب

یہ مشہور نظم علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے ڈاکٹر انصاری صاحب کے طبی وفد کے جنگ بلقان سے واپسی پر لکھی تھی ایک ایک مصرع سے درد و گداز ٹپک رہا ہے

ادا کرتے ہیں ہم شکر جناب حضرت باری
کہ آئے خیریت سے تم یہاں اے وفد انصاری

ہزاروں کوس جا کر بھائیوں کی تم نے خدمت کی
یہی تھا درد اسلامی یہی تھی رسم غمخواری

فراق ملک ترکستان دوری منزل
خدا کے فضل سے تم نے یہ کڑیاں جھیل لیں ساری

تمہارے شوق کے واسطے ہر گام آرا تھے
صدائے نالہ ہائے درد جوش گریہ و زاری

نگاہ حسرت آلود عزیزاں کی سناں باری
فغان سینہ ریشان محبت کی شرر باری

مگر ایک جذبۂ اسلام نے سب کو شکستیں دیں
کہ سب کو چھوڑ کر پہنچے وہاں با ایں گرانباری

جو سچ پوچھو تو تم انصار بھی ہو اور مہاجر بھی
کہ سب اہل وطن کو چھوڑ کر پہنچے بیاری

کسی کو خواب میں بھی یہ سعادت مل نہیں سکتی
مریضوں کے لیے وہ آپ کی شبہائے بیداری

جو سچ پوچھو تو زیبا ہے تمہیں دعوائے آقائی
کہ تم نے کی ہے تیمار مجاہد کی پرستاری

تمہارا ناز اٹھائیں اہل ملت جس قدر کم ہو
کہ تم نے خادمان دین کی کی آ کے ناز برداری

سمجھا جاں نثاری ہائے اسلامی کو سمجھو گے
کہ تم دیکھ آئے ہو نصرانیوں کا طرز خونخواری

نہیں ہے سوزِ اسلامی کا گو نام و نشاں باقی
تمھارے دل میں ہیں کچھ درد کی چنگاریاں باقی

مسلمانوں کے تم نے طالعِ واژوں بھی دیکھے ہیں
نئے سب انقلابِ گردشِ گردوں بھی دیکھے ہیں

تمھارا دردِ دل سمجھیں گے کیا ہندوستاں والے
کہ تم نے وہ مظالم ہائے گوناگوں بھی دیکھے ہیں

یتیموں کے سنے ہیں نالہ ہائے جانگزا تم نے
زبانِ بے نوا کے چہرۂ محزوں بھی دیکھے ہیں

گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کو جلا دینا
بلادِ مغربی کے یہ نئے قانوں بھی دیکھے ہیں

مسلمانوں کے قتلِ عام اور ترکوں کی بربادی
نتائج ہائے امیدِ گلبدستوں بھی دیکھے ہیں

تمھیں نے نازیوں کے جسم پر ٹانکے لگائے ہیں
شہیدانِ وطن کے جامۂ پرخوں بھی دیکھے ہیں

تمھاری چشمِ عبرت گیر خود ہم سے یہ کہتی ہے
کہ تم نے وہ مصائب ہائے گوناگوں بھی دیکھے ہیں

لہو کی چادریں دیکھی ہیں رخسارِ شہیداں پر
زمیں پر پارہ ہائے سینۂ پرخوں بھی دیکھے ہیں

نگار آرائیاں دیکھی ہیں چشمِ گوہر افشاں کی
شہیدانِ وفا کے عارضِ گلگوں بھی دیکھے ہیں

تمھیں سے کچھ پتہ ملتا ہے شیدایانِ ملت کا
کہ تم نے شاہدِ اسلام کے مفتوں بھی دیکھے ہیں

جنونِ جوشِ اسلامی کوئی سمجھا تو تم سمجھے
کہ تم نے لیلیِ اسلام کے مجنوں بھی دیکھے ہیں

سہارا ہے اگر امید کا بھی اب کوئی باقی
تو تم نے وہ رموزِ قوتِ مکنوں بھی دیکھے ہیں

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر ابھر آئے
کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں بھی دیکھے ہیں

دعائے کہنہ سالاں ہے اگر مقبولِ یزدانی
تو ابنِ سیفِ علی ادیبِ شبلی نعمانی

نوجوان مسلم کا خطاب لیڈروں سے

لیڈرو گر ہوں میں قانون شکن رہنے دو
ہے اگر سب کے لئے دار و رسن رہنے دو

تم وفاداری کے چشمے سے ہو سیراب تو خیر
میں ہوں اس آب سے گر تشنہ دہن رہنے دو

تم ہو گر عیش میں مست تو مبارک تمکو
میری قسمت میں ہے گر رنج و محن رہنے دو

دوستی مجھکو تمھاری نہیں درکار ذرا
میرا دشمن ہے اگر چرخ کہن رہنے دو

خندۂ عیش لبوں پر ہے تمھارے تو رہی
میری پیشانی پہ غصے سے شکن رہنے دو

بدنصیبی کے اندھیرے سے رہو دور تم آپ
میں نہ دیکھوں جو سعادت کی کرن رہنے دو

کون کہتا ہے کہ اس راہ میں تم خون بہاؤ
ہے سیاست کی اگر راہ کٹھن رہنے دو

تم نہیں الفت اسلام میں چلاتے تو خیر
میں نے باندھا ہے اگر سر سے کفن رہنے دو

تم اگر صحبت زنداں سے بچے ہو تو بچو
میں اگر کر نہ سکوں سیر چمن رہنے دو

خیر تم اپنی سناتے ہو ہمیشہ تو سناؤ
گر مرے دل میں ہے ملت کی چبھن رہنے دو

جلسے کی تمھیں معلوم ہے تدبیر تو خیر
میں نہیں جانتا گر ایسا چلن رہنے دو

تم ہو عزت کے طلبگار تو ڈھونڈو اسکو
میری ذلت ہے جو مشہور زمن رہنے دو

ہے جو منصوبہ تمھارا وہ مبارک تمکو
مجھکو محبوب ہے اپنی ہی وطن رہنے دو

حقیقتِ منتظر

علامہ اقبال

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم ہا سیاہ کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں مذاق ہے نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

کوئی آج مسلمِ خستہ جاں کو یہ جا کے میرا پیام دے
کہ وطن ہے دشمنِ آبرو تو اماں ہے ملکِ حجاز میں

تجھے کیا سنائیں ہمنشیں ہمیں موت میں جو مزا ملا
نہ ملا مسیح و خضر کو وہ نشاطِ عمرِ دراز میں

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

عندلیبِ حجاز کی نذر

سبز گنبد والے شہنشاہ کے حضور میں

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا

قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا

ہوا فریبِ اجل اشتیاقِ آزادی
سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو

حضور آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز

ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز

اڑا جو پستیِ دنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لیکے تو آیا

کہا میں نے کہ سچی خوشی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

شہر آشوبِ اسلام

۱۸۸

علامہ شبلی نعمانی

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھیگا دھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دئیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑینگی دھجیاں کب تک

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریضِ سخت جاں کب تک

یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے / اسے دیکھیگا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک
یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنے والے / یہ سیران کو دکھائیگا شہیدِ نیمجاں کبتک

یہ ہیں وہ نالۂ مظلوم کی لے جنکو بھاتی ہے
یہ راگ ان کو سنائیگا یتیمِ ناتواں کبتک

الجھتے کیا ہو تہذیبِ انسانی کو استادو / طلسم آرائیاں تاکے یہ حشر انگیزیاں کبتک
انگیزیِ طوفانِ بیداد و بلا تاکے / یہ لطف اندوزیِ ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک
تمکو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے / ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کبتک
گلستانِ چمن کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی / تو ہم تم کو دکھائیں زخمہائے خونچکاں کبتک
اگر گرمیِ محفل کے ساماں چاہئیں تمکو / دکھائیں ہم تمھیں ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک
یہ مانا قصۂ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے / سنائیں تمکو اپنے دردِ دل کی داستاں کبتک
یہ مانا تمکو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا / ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کبتک
عروسِ بخت کی خاطر تحصیلِ زر کا ہی افشاں / ہمارے ذرّہ ہائے خاک ہونگے زر فشاں کبتک
کہاں تک لوگے ہم سے انتقامِ فتحِ ایوبی / دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کبتک

سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع ملت ہے / عزیزو فکرِ فرزند و عیال و خانماں کبتک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ طیاریاں کیا ہیں

نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم چمنستاں کب تک

پرستارانِ خاکِ کعبہ دنیا سے اگر اٹھے
تو پھر یہ احترامِ سجدہ گاہِ قدسیاں کب تک

جو گونج اٹھیگا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید کا بانگِ اذاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

کہیں اڑ کر یہ دامانِ حرم کو بھی نہ چھو آئے
غبارِ کفر کی یہ بے مہابا شوخیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کب تک

جو ہجرت کرکے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہیں اب کیا کہ دامنگیری ہندستاں کب تک

دعوتِ عمل

جناب میر نیرنگ - انبالہ

تجھے اے بلبلِ رنگیں نوا سوجھی ہے گانے کی
مگر مجھکو پڑی ہے فکر تیرے آشیانے کی

یہ تیرے آڑے ترچھے چہچہے شاخِ گلبن پر
کبھی سے بجلیاں ہیں فکر میں اسکے جلانے کی

یہ گلچیں باغباں صیاد یہ سب کرم فرما
لئے بیٹھے ہیں ارماں حسرتیں تیرے ستانے کی

سنبھالا اپنی پر پرزی ترے سب منتشر ہوتے
ہوا اک نے فلک کی ہے لپیٹے آشیانے کی

مگر اک تو ہی غافل ہے مآلِ کار گلشن سے
ترے حصے میں آئی ہیں غفلتیں سارے زمانے کی

پرانے برگِ گل بھی چھانٹے جا چکے یاں سے
لگی ہے باغباں کو دھن نیا گلشن بنانے کی

نئے پودے نئے بوٹے نئے گلبن نئے تختے
نئی شرطیں بنینگی اب چمن میں آنے جانے کی

قفس بھی دام بھی مقراض بھی بالکل نئے ہونگے
نئی ترکیب ہوگی تجھکو پھندے میں پھنسانے کی

یہ حالت ہے تو تجھ سے باغ اب چھوٹا کہ چھوٹا ہے
بنیں گی سازِ عبرت حسرتیں تیرے فسانے کی

اگر گلشن میں رہنا ہے بدل لے تو بھی ڈھنگ اپنا
سماعت اب نہیں ہوگی کسی حیلے بہانے کی

نہ بایستے ترا در باغ سازِ آشیاں کردن
چو کردی زندگی باید بحکمِ باغباں کردن

سمجھ لے ہم نفس جو کچھ کہا ہیں نے اشاروں میں
سنائی ہے تجھے تیری کہانی استعاروں میں

نئی حالت ہے دنیا کی نرالا رنگ ہستی ہے
نئے گل کھل رہے ہیں گلشنوں میں لالہ زاروں میں

جہاں گل خار و خس تھے وہ جگہ اب صحنِ بستاں ہے
مبدل ہو گیا ہے صحنِ بستان خارزاروں میں

مگر تیری وہی عادت وہی حالت وہی دھن ہے
نہ وہ محفل نہ وہ ساقی مگر تو ہے خماروں میں

ہر ایک کشتِ عمل شاداب ہے فیضِ تمدن ہے
چمن تیرا ہی کملایا ہوا ہے ان بہاروں میں

نہ سمجھے اب بھی جو کوئی وہ سمجھے اپنی خوش فہمی
زمانہ کہہ چکا سب کچھ اشاروں میں کنایوں میں

نئے حالات کو دیکھ اور سنبھل گر زندہ رہنا ہے
تمہیں تو خود کو زندہ گاڑنا ہوگا ہزاروں میں

غضب ہے آج تیری غفلتیں سوائے عالم کی
سمجھتے تھے تجھے ہم چشمِ گل تک ہوشیاروں میں

خدا ہی حافظ و ناصر ہے تیری قومِ بیکس کا
شمار اسکا ہے مدت سے حوادث کے شکاروں میں

غمِ دیروز و دوشت کردہ حیرانِ تمنا ہا
گرفتہ ہم رہاشت منزلِ سامانِ فردا ہا

تلافیِ مافات

فخرِ قوم مولانا ظفر علی خاں

خوب جی بھر کے سرِ اینڈورڈ گرے دیکھ چکے
ہم نہ دیکھیں گے سیہ خانہ کا ویراں ہونا

اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھر جانا
اپنی جمعیتِ قومی کا پریشاں ہونا

برقِ تثلیث کا توحید کے گھر پر گرنا
ظلمتِ کفر میں ایمان کا پنہاں ہونا

ترک کے طرۂ طرار کا جھک جھک جانا
چاکِ دامانِ عرب کا بہ گریباں ہونا

خاک کا ورنہ و طروق کے گھر پر اڑنا
خون میں مشہد و تبریز کا غلطاں ہونا

مصر کے سینۂ صد چاک کے پرزے اڑنا
ہند کے دیدۂ نمناک کا طوفاں ہونا

صفِ ماتم ادھر ایران کے اندر بچھنا
اور مراکش میں اُدھر حشر کا ساماں ہونا

ستمِ ایجادیِ بلقان کی لکھتے ہوئے شرح
بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا

یہ مسلمان ہیں اس جرم میں کم دو انہیں قاتل
دشتِ بلقان میں یہ رب کا یہ فرمان ہونا

خانماں سوختۂ مسلم کی تمناؤں کا
دشتِ غربت میں سراسیمہ و حیراں ہونا

خانقاہوں سے مشائخ کا گھسیٹا جانا
اور مساجد میں صلیبوں کا نمایاں ہونا

کبھی جن پردہ نشینوں کی نہ اٹھتی تھی نقاب
ان کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا

یوں تہیہ کر کے ہیں آپ کو اب ہے منظور
جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

پیام

علامہ اقبال

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دلِ صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کی چاک تو پہلے رفو کر لے

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

تنک بخشی کو استغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ رہ منت کشِ ساقی نگوں جام و سبو کر لے

نہیں یہ شانِ خودداری چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیبِ گلو کر لے

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اُڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گلچیں ہے تو پیدا رنگ و بو کر لے

ایمان

حضرت اکبر الہ آبادی

دلِ شکستہ میں ایمان رہ سکے تو رہے
اُجاڑ گھر میں جو مہمان رہ سکے تو رہے

ہماری بزم سے رخصت ہے دولت طاقت
بغیر ان کے جو ایمان رہ سکے تو رہے

دلِ ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب
مگر زبان مسلمان رہ سکے تو رہے

جذبات جوہر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جوہر پریسیڈنٹ آزاد قومی یونیورسٹی علی گڑھ کے
زمانہ نظر بندی کے افکار وواردات

دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطف جرمِ تمنا سزا کے بعد

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرتِ جوہر یہ روکشی
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کا مزا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ

وحشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو / بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ
تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور / بیچارگی ہے اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ
یہ نور خدا کا ہے بجھانے سے نہ بجھے گا / کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ
ہوں لاکھ نظر بند دعا بند نہیں ہے / اللہ کے بندوں کو نہ اس طرح ستا دیکھ
ہو حسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا / ہو صدقِ طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ
عقبیٰ تو کہاں واں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک / اس کا فریبِ فیض ہو دل تو بھی لگا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہوشیار ہو غافل
رنگِ فلکِ پیر زمانے کی ہوا دیکھ

شورِ ماتم کے لئے تیار رکھ گوشِ مراد / ہے شرارِ حسن پہ ہنگامہ بپا فریاد کا
عزمِ عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل / نام بھی لیتا نہ ہرگز کوششِ برباد کا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہونگے اور بھی ظلم و ستم / کچھ بھی باقی ہو جو ظالم حوصلہ بیداد کا
کر دیا قیدِ قفس نے ہم کو آزادِ چمن / پاس کافی ہو چکا اب خاطرِ صیاد کا
دعوتِ مژگاں کی بھی جب نہیں باقی ہو سکت / ایسے دیوانے کے گھر کیا کام ہے فصاد کا
گیارھویں کو فاتحہ دلوا دیا کرتے ہیں ہم / ہے اثر اتنا ابھی یادِ خفتۂ بغداد کا
آج تک ہے اک کنعانی سے شہرت مصر کی / فیض سے حسرت کے ہوگا نام فیض آباد کا

ہو گئے جوہر سے کیسے بندۂ دامِ فریب
شور سنتے تھے بہت ہم حسرتِ آزاد کا

یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے ۔ یہ ظلم نہیں نامِ خدا اور ہی کچھ ہے
ہم عیشِ دو روزہ کے کبھی شکر نہیں لیکن ۔ ایمان شہیدِ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے
تاخیر میں کچھ حرج نہیں یہ تو بتا دو ۔ ہے مدِ نظر وصل کبھی یا اور ہی کچھ ہے
اغیار کو ہو لذتِ آغاز مبارک ۔ انجامِ محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے
ہے سائلِ دولت ہیں عزت کے طلبگار ۔ اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور ۔ جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور
گر بوئے گل نہیں نہ سہی یادِ گل تو ہے ۔ صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور
کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا ۔ روحِ شہید رہتی ہے نقش و کفن سے دور
ہے بعد کربلا سے بھی قربِ یزید بھی ۔ اور چاہتے ہیں یہ کہ ہوں پنجتن سے دور
یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو ہاں ۔ مارا دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور
مسلم اجل سے دور نہیں روزِ کربلا ۔ رہتا نہیں برات میں دولہا دلہن سے دور
منقارِ عندلیب کو صحبت دمِ صبح کا ۔ مانا کہ گوشِ گل ہے لبِ نالہ زن سے دور
ہم تک جو دورِ جام بھی آئے تو کیا عجب ۔ یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

شاید کہ آج حسرتِ جوہر نکل گئی
ایک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

خونابۂ غم

جناب محوی لکھنوی

ہماری بے زبانی ہمت افزائے ستم ٹھہری — کہ چپ رہنے پہ بھی ملتا ہے اب الزام غداری
شہیدوں کا تڑپنا لوٹنا دیکھا نہیں جاتا — مگر ممنوع ہے اس دور میں اظہار غمخواری
کیا جاتا ہے شک ہم پر بچارے گریہ و غم کا — کریں کس طرح اپنے بھائیوں کی ہم عزاداری
حکومت ہم پہ ہو سکتی ہے دل پر ہو نہیں سکتی — کوئی روکے تو کیونکر چشم دل کی گریہ و زاری
مٹائے اپنی ہستی کو کہاں تک کوئی گھٹ گھٹ کر — نہیں ہے صبر کی اب تاب اے آئین خودداری
کہاں تک کوئی خاموشی سے دنیا کے ستم جھیلے — کہاں تک کوئی دیکھے جائے اپنی ذلت و خواری
یہ جینا بھی کوئی جینا ہے جو پابند آسایش — بس اب خواب گراں سے چونکئے ہے وقت بیداری

تری بربادیاں دیکھی نہیں جاتی ہیں اب ہم سے
خدا کے واسطے اٹھ اور ہو آزاد اس غم سے

شیوۂ احرار

علامہ آزاد سبحانی کانپوری

ہدف جور و جفا جان سے بیزار نہ ہو — دیکھ بدنام کہیں شیوۂ احرار نہ ہو
امتحاں ہے سبب شہرت ارباب کمال — شور منصور نہیں گر رسن و دار نہ ہو

طالب تجانہ نشیں ہوں صفت گوہر گل
منتظر در پہ کہیں جلوۂ دیدار نہ ہو

بتکدہ ہے دل اگر اس میں خودی کا بت ہے
عرش و کعبہ سے بھی گر بت پندار نہ ہو

جو یہیں آنے لگے لطف و عنایت کے مزے
ستم یار میں مخفی کرم یار نہ ہو

جلوہ افروز ہر اک جلوہ میں ہے جلوۂ یار
کیا شکایت ہے اگر اس پہ بھی دیدار نہ ہو

خلوتیوں میں لائی ہے آزاد اسیری کی کشش
بھاگ اس دام سے نادان گرفتار نہ ہو

مسلم سے خطاب

غلام محمد صاحب طور ایم اے مرحوم

تجھے اے مسلم غمدیدہ ہے نیند کیونکر پیاری
اگر خواب اجل کی ہے تجھے منظور تیاری

ہزاروں قافلے یاں لٹ گئے خوابیدہ قوموں کے
نہ سیکھا تو نے لیکن بے خبر آئین ہشیاری

ستائے رگ تیرے کر طبیب خاک لطف اٹھانے
کہاں سے اب لگائی تو نے دل کو تازہ بیماری

شبستاں تو نے کو ویراں مقبرے تجھ کو رستے ہیں
تیرے عالم تیرے واعظ تیرے ملا تیرے قاری

کبھی تھی عیش و طرب کی دھوم تھی تیرے شبستاں میں
نصیب دشمناں ہے اب تیرے گھر میں عزاداری

کبھی عرش تک جاتا تھا شور رہتا تیرے تمدن کا
غضب ہے ہو گئی اب زیست بھی تجھکو لاچاری

ضعیفانِ جہاں کو ایک دن تو نے سنبھالا تھا
سنبھلنا ہے تجھے دشوار آج اللہ رے خواری

خراباتِ جہاں میں رفتہ رفتہ ہو گیا آخر
بہانے بادۂ اغیار تیر النقد خودداری

تجھے معلوم ہے اوج شرافت کا ہما تو تھا
ہے تجھکو مانع پرواز بال و پر کی ناداری

یہ سب کچھ ہے مگر زیبا نہیں تجھکو ہراسانی
کہ تیری سعی کی پھر منتظر ہے حرمت یاسی

اگرچہ غش ہے تو بزم گل تہذیب مغرب پر
مگر لازم ہے تجھ کو باغ مذہب کی ہوا داری

تری تسکین خاطر دے گا ہی شاہد لیلیٰ
بتانِ مغربی سے تیری نبھ سکتی نہیں یاری

جگہ دے گوشِ دل میں تیرے قربان سیکڑوں کو
کہ تہذیب وفاداری ہے دلداروں کی دلداری

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

انجام وفا

علامہ آزاد سبحانی کانپوری

نتیجہ کھل گیا جوشِ وفا کا
پیام آیا ہے پیغامِ جفا کا

سنیں اہلِ وفا میری کہانی
نیا قصہ ہے انجامِ وفا کا

وہ پیکانِ نگاہ سے کھیلتے ہیں
ادا سے کام جاری ہے قضا کا

مٹا دے یاس تو اس کشمکش کو
یہ کب تک معرکہ بیم و رجا کا

مری رودادِ الفت پوچھئے کیوں
نتیجہ کیا بیانِ ماجرا کا

خدا پر چھوڑ دو انجام کشتی
قدم کیوں درمیاں ہے ناخدا کا

فلک سے رشتۂ الفت بندھا ہے
نشانہ بن رہا ہوں ہر بلا کا

مزاج لاابالی اور جوانی
خدا حافظ ہے ناموسِ حیا کا

حدیثِ ضبط پروانہ ہے بے وقت
جنابِ عشق ہے سرکارِ وحدت
خدا کے بعد تم کو چاہتا ہوں
نکل آؤ ذرا پردے سے باہر

زبانہ ہے فغان پر ہلا کا
مٹا دو فرق تخت و بوریا کا
یہ نقشہ ہے مری فردِ ولا کا
عقیدہ مٹ رہا ہے اب خدا کا

ترا آزاد پھر پابندِ غم ہے
وہ پھر محتاج ہے لطف و عطا کا

انقلابِ زمانہ

حضرت اکبر الہ آبادی

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
یہ خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا
ہر ک تنگی سے ظالم کی جنگل میں ہے ایک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحان ہوگئے چپ آہو نے اچھلنا چھوڑ دیا
کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا
بدلی وہ ہوا گزرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر کام پہ چند آنکھیں نگراں - ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

گرفتارِ قفس امیدِ رحمِ باغباں کب تک

مولانا نجم الدین انجم گیاوی

یہ فریاد و فغاں اے بلبلِ بے خانماں کب تک	تجھے او بے خبر ہوگی نہ فکرِ آشیاں کب تک
جو اس گلشن میں رہنا ہے تو استحقاق حاصل کر	گرفتارِ قفس امیدِ رحمِ باغباں کب تک
نئے سر سے کر اب آراستہ خود صحنِ گلشن کو	رہیگا اپنے ویرانے چمن کا نوحہ خواں کب تک

نگہبانی کر ان کی جو نئے پودے ہیں گلشن میں — رہینگی سایہ افگن یہ سوکھی ڈالیاں کب تک
کر اب ان نئے نہالانِ چمن کی آبیاری خود — تری غفلت رہینگی ان کو پامالِ خزاں کب تک
پھر اپنی قوتِ نشو و نما سے خود یہ ابھرینگے — رکھیگا ان کو تو محتاجِ دستِ باغباں کب تک

کسِ آثارِ عمل این قصۂ عہدِ کہن تا کے
پئے وابستگی این شغلِ بزم و انجمن تا کے

علاج قوم کرنا ہے تو کچھ درد آشنا ہو جا — سراپا درد ہو کر درد کی اپنے دوا ہو جا
اگر آزاد ہو کر تجھکو اس گلشن میں رہنا ہے — تو مثلِ سرو اپنے پانوں پر خود ہی کھڑا ہو جا
مخالف ہی ہوا دشمن ہیں موجیں زورِ طوفاں ہے — خدارا کشتیِ قومی کا اپنی ناخدا ہو جا
ہو پامال سبزے کی طرح پستی میں تو رہ کر — بلند ہمت بتا اپنے کو عالی حوصلہ ہو جا

بچشمِ ہم صفیرانِ چمن اعزاز پیدا کن
رہائی گر ہوس داری پرِ پرواز پیدا کن

وہ اندازِ فغاں اے بلبلِ دلگیر پیدا کر — تڑپ اٹھے دلِ صیاد وہ تاثیر پیدا کر
بہارِ گلشنِ اغیار پر کیوں جان دیتا ہے — خود اپنے دشت میں شادابیِ کشمیر پیدا کر
بجائے لکچر [illegible] سرگرمِ عمل ہو جا — زبانِ حال بن خاموشیِ تصویر پیدا کر
کریگا قوم میں کیا جوش پیدا نالہ و شیون — عوض نعرہ کے مشقِ نعرۂ تکبیر پیدا کر

زباں کی صرف تیزی سے نہیں کچھ کام چلنے کا
کوئی جوہر بھی دل میں صورتِ شمشیر پیدا کر

تجھے کیا گل اگر چھوٹے مجھے کیا گر بہار آئی

جناب بشیر حسین قدوائی از انگلستان

شگفتہ دیکھتے ہی گل کو بلبل پکار آئی
بشیر عشق پہ در اصل چمن میں پھر بہار آئی

مزے میں وہ ہیں جو جنجال سے اکبار چھوٹے ہیں
مجھے تو موت بھی اس زندگی میں بار بار آئی

اجاڑا آشیاں میرا اکھاڑے بال و پر سب کے
اور اب آکر یہ کہتے ہیں بہار آئی بہار آئی

دعائیں بھی مری سجدے نگاہ ہوا اب اثر الٹا
گرائی سر پہ آہِ نارسا برق و شرار آئی

ہمیں خار در نظر اوروں کو اس گلشن سے یا قسمت
جو ہم آئے خزاں آئی جو غیر آئے بہار آئی

زبانہ کی تگ و دو میں نہیں ہے حسرت غفلت کی
مری آواز ہر گوشہ میں یہ جا کر پکار آئی

قفس میں تھی یہی بلبل میں یوں گل ہے دور افتادہ
تجھے کیا گل اگر چھوٹے مجھے کیا گر بہار آئی

بقا در فنا

سید محمد حسین صاحب جستجو لکھنوی

ملیں گے پھر چمن والوں سے گر ہوگا مقدر میں
بہار اب کی گزار آئے ہم صیاد کے گھر میں

فنا کر دیں گے ہم اک نعرۂ اللہ اکبر میں
ہمارے ہوتے رہ سکتے ہیں بت اللہ کے گھر میں

مری ہستی جو ہستی ہے محافظ ہے خدا جس کا
بتو آخر تو میں ہوں کلمہ گویاں پیمبر میں

جلا کر ایک دن چھوڑینگے شعلے آہ سوزاں کے ۔ لگا دینگے کسی دن آگ ہم صیاد کے گھر میں

کبھی رونے پہ آئے تو ڈبو دینگے زمانے کو ۔ چھپا ہے نوح کا طوفان ہمارے دیدۂ تر میں

نہ تم پر جان دیتے ہم نہ یوں برباد ہو جاتے ۔ تماشہ دیکھتے ہیں ہم لگا کر آگ خود گھر میں

ہماری حسرت پرواز نکلے سخت مشکل ہے ۔ نہ طاقت اپنے بازو میں نہ قوت اپنے شہپر میں

فنا کے پردے میں شکل بقا جب سے نظر آئی

سمایا جب سے سودائے شہادت ہے خون میں

بیداری ہند

جناب لالہ لال چند صاحب فلک

مبارک ہند کی بیدار قسمت ہوتی جاتی ہے ۔ نمایاں ہند کو اب راحت ہوتی جاتی ہے

جگایا ہے ہمیں شبنم نے چھینٹے منہ پہ دے دے کر ۔ دلوں سے اب ہمارے دور غفلت ہوتی جاتی ہے

شعاعیں آن پہنچیں ہند میں مہر ترقی کی ۔ رفو چکر ہمارے گھر سے ظلمت ہوتی جاتی ہے

سمجھ لو مشکلیں سب دور اپنی ہونے والی ہیں ۔ کہ مائل قوم پر اپنی طبیعت ہوتی جاتی ہے

اٹھا غفلت کا پردہ ہو دل بیدار سب کے ۔ نمایاں ملک کی اب ہم میں الفت ہوتی جاتی ہے

ترقی پر ہے اے فرزند فلک چاہ دیسی کا

پرائے دیش کی چیزوں سے نفرت ہوتی جاتی ہے

حیاتِ تازہ

جنابِ ابو رشید عبدالمجید خاں صاحب سالک اسسٹنٹ ایڈیٹر زمیندار

عظمتِ رفتہ جو چاہے تو جگر پیدا کر
زورِ بازو میں دعاؤں میں اثر پیدا کر

اسی پانی سے ہری کشتِ تمنا ہوگی
ابرِ نیساں کی طرح دیدۂ تر پیدا کر

تابکے طوقِ غلامی میں رہے گی گردن
جس میں سودائے حکومت ہو وہ سر پیدا کر

رہیگا بے پروبالی سے قفس میں کبتک
ہے اگر خواہشِ پرواز تو پر پیدا کر

اٹھ کے جو خرمنِ دشمن پہ گرے بن کے برق
خاک میں اپنی وہ جانسوز شرر پیدا کر

راہبر گوشہ نشیں خضرِ رہِ عشق نہیں
رہنما کوئی مہیائے مضر پیدا کر

تیرے دل میں ہے اگر شوقِ جمالِ مطلوب
چشمِ بینا میں تجسس کی نظر پیدا کر

لیکے خورشیدِ جہاں تاب سے مقراضِ شعاع
دامنِ شب میں گریبانِ سحر پیدا کر

رونقِ گلشنِ اسلام دوبالا کر دے
اس سیہ خانۂ عالم میں اجالا کر دے

چند خدا لگتی باتیں

از زمیندار

چاک کر ڈالیے ایماں کا پرانا جامہ
زیبِ تن کیجیے پوشاکِ وفاداری کی

سینہ برچھی سے چھدے حلق پہ تلوار چلے		کچھ ہو لیکن نہ کٹے ناک وفاداری کی
آپ اگر چاہتے ہوں خاں بہادر بننا	۳	رات دن بوٹ ہر انگریز کے چوما کیجیے
کوئی روئے کوئی چلائے مگر آپ کو کیا		گیت گا گا کے گورنمنٹ کے جھوما کیجیے
جن سروں پہ یہ ہے کیا ہی بہار اُس میں وہ سر	۴	ہوسِ عہدہ و اعزاز کا بھوت اچھا ہے
قوم کو باغی و مفسد کا لقب دے دینا		خیر خواہیِ حکومت کا ثبوت اچھا ہے

مرغانِ قفس کا پیام

جناب سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی

ڈھونڈھو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پہ
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

اے شوق پتا کچھ تو ہی بتا اب تک یہ کرشمہ کچھ نہ کھلا
ہم میں ہے دلِ بیتاب نہاں یا آپ دلِ بیتاب ہیں ہم

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آ جاؤ جو تم کو آنا ہے ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

مرغِ حرم

جناب نیاز فتحپوری

پھر مجھے طوق و سلاسل کا خیال آنے لگا
پھر نمایاں ہو چلا دامن مرے ملبوس کا
سینۂ عریاں میں چھپیں پھر ابھر آنے لگیں
پھر وہی ہے ناخنِ غم اور اسکی کاوشیں

پھر مجھے مرغِ حرم رہ رہ کے تڑپانے لگا
یعنی اشکوں میں مرے پھر رنگِ خوں آنے لگا
پھر گریباں تک مرا دستِ جنوں جانے لگا
پھر مجھے دردِ نہاں کچھ آج تڑپانے لگا

پھر بہار آئی چمن میں زخمِ دل آلے ہیں مجھے
پھر مرے داغِ جنوں آتش کے پرکالے ہیں مجھے

عقل کہتی ہے کسی کی پردہ داری چاہیے
کسکو سمجھاؤں کہ تجدیدِ وفا اک جرم ہے
مصلحت فرما ہے زاہد زخمِ دل ظاہر نہ ہو
ہے سکوں اک طور کا خاموشیٔ نالاں میں بھی

دل یہ کہتا ہے نمودِ بے قراری چاہیے
اس میں پہلے عہد کی نا استواری چاہیے
میں یہ کہتا ہی نہیں خوں نابہ باری چاہیے
مجھکو لیکن رخصتِ فریاد و زاری چاہیے

جی مرا پھر بیٹھے بیٹھے آج گھبرانے لگا
یعنی دیواروں سے میں پھر سر کو ٹکرانے لگا

فریادِ زمانہ

حضرت اکبر الٰہ آبادی

مینائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہے جان مر رہے ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں

اِدھر ہے قوم ضعیف و مسکیں اُدھر ہیں کچھ مرشدانِ خود بیں
ادھر نشاں اس کا مٹ رہا ہے وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں

کٹی رگِ اتحادِ ملت رواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں
ہم اس کو سمجھے ہیں آبِ صافی نہا رہے ہیں نکھر رہے ہیں

صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں

قفس ہے کم ہمتی کا جس میں پڑے ہیں کچھ دانہ ہائے شیریں
اسی پہ مائل ہے طبعِ شاہیں نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں

شمعِ ہدایت

فخرِ قوم مولانا ظفر علیخاں

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں

اک روز چھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو

یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہو

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دوکانِ فلسفہ سے

ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ

ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

باقی ہے اک سوزِ نہاں اب تک تانِ عاشقی

سید الاحرار مولانا حسرت موہانی

حسرت کشانِ درد ہیں لب تشنگانِ عاشقی

مطلوب و سرِ ہیں محبوب ننگ دہیں

ہیں واقفِ انجام ہم کیوں پیں انہیں الزام ہم

پہلو عیاں ہیں چار کے تسکینِ جانِ زار کے

راحت سے دل گھبرائے گا رہ کی غم یاد آئیگا

سیراب غم کر دے کہیں پیر مغانِ عاشقی

معشوق اہلِ درد ہیں ہم عاشقانِ عاشقی

جب تک رہیں ناکام ہم ہیں کامرانِ عاشقی

آنسو ہیں چشمِ یار کے روحِ روانِ عاشقی

کیونکر بھلایا جائیگا عیشِ زمانِ عاشقی

منظورِ دلداری رہا لطفِ نہانِ دلبراں ۔۔۔ مقصودِ رسوائی رہی شانِ نہانِ عاشقی
وہ ہم کہاں وہ دل کہاں البتہ اتنا ہی کہاں ۔۔۔ باقی ہے اک سوزِ نہاں اب تک نشانِ عاشقی

سب سے ازحق افشا کیا حسرت یہ تو نے کیا کیا
ہم کو نہ کیوں سمجھا کیا نا قدر دانِ عاشقی

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

جناب پنڈت برج نرائن چکبست

یہ ہندوستان ہے ہمارا وطن ۔۔۔ محبت کی آنکھوں کا تارا وطن
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ اس کے درختوں کی تیاریاں ۔۔۔ وہ پھل پھول پودے وہ پھلواریاں
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

ہوائیں درختوں کا وہ جھومنا ۔۔۔ وہ پتوں کا پھولوں کا منہ چومنا
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ ساون کی کالی گھٹا کی بہار ۔۔۔ وہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

وہ باغوں میں کوئل وہ جنگل کے مور ۔۔۔ وہ گنگا کی لہریں، وہ جمنا کا زور
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اسی سے ہے اس زندگی کی بہار — وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

رباعی

علامہ شبلی علیہ الرحمۃ نے آخری ایام زندگی میں طلبا ندوہ کو مخاطب فرما کر یہ رباعی پڑھی تھی۔ میرے نوجوان بھائیوں کو اس کو غور سے پڑھ کر سبق حاصل کرنا چاہیئے

لئے تھے ہمنے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے — یہ قصہ جب کا ہے باقی تھا جب شباب اپنا

اور اب تو سچ یہ ہے جو کچھ امیدیں ہیں وہ تم سے ہیں — جواں ہو تم لب بام آچکا ہے آفتاب اپنا

مسلم سے خطاب

نامعلوم

کچھ تو سوچ اے مسلم ناداں تجھے کیا ہو گیا — آج دشمن بھی تری تقدیر پہ حیران ہو گئے

اشک ہائے خون آئے تو بینائی گئی — یہ گلے تیری نظر کی روشنی کا نشانہ ہو گئے

ذرہ ذرہ کار زار زندگی پہ تل گیا — آہ جن کو جاگتے رہنا تھا وہ کیوں سو گئے

دیکھ لے جود و سخا کے مدعی اپنا کرم — پھر نہ کہنا تم بہت بیزار تجھ سے ہو گئے

نسل آدم پر ہوا ہے عرصۂ آفاق تنگ

صاحبانِ خشک و تر بندے پیٹ کے ہو گئے

چل بلقان چل

جنگ بلقان کے موقعہ پر سید ہاشمی فرید آبادی نے اکثر بہترین نظموں میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا انہیں میں سے ایک مشہور نظم ہے

تا بکے رنجِ زوال آنکھیں جو سنجیکا دل مضمحل
دعویٰ ایمان رکھتا ہے تو اے مومن نکل
تا بکے سازِ جنوں مشتاقِ آہنگِ عمل
شمہ غیرت کا ہے گر باقی تو چل بلقان چل

جان سے لاکھوں گنا مہنگی ہے تیری آبرو
سوگواری ہا سے ظاہر کی نہ کر تلقین تو
ہو فنا گر ہے بقائے جاوداں کی آرزو
شمہ غیرت کا ہے گر باقی تو چل بلقان چل

چھوڑ دے سب پر وہ لوگوں کے لئے یہ اعتدال
مشکلیں کس کی ہیں کہانی کی چھکڑا کیا مآل
موت حاصل کر کہ جو اس زندگی کا ہے مآل
لطف مرنے کا اگر چاہے تو چل بلقان چل

تا کجے یکساں رہے گی بس یہ حالِ انقلاب
وہ بھی کیا مرنا کہ خود فطرت تجھے دیدے جواب
چھوڑ دے گی سکون کی ہو رہیں اضطراب
لطف مرنے کا اگر چاہے تو چل بلقان چل

ٹرکی سے خطاب

فخر قوم مولانا ظفر علی خاں

تجھ سے اے ٹرکی ہمارا برقرار اعزاز ہے — تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے
ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضر دستگیر — ہم اگر بشکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے
گونجتی تھی محفل عالم کبھی جس ساز سے — تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے
سبز گنبد والے آقا کا ہے تو جاروب کش — جس کی رحمت ملت مرحوم کی دمساز ہے
نام ہے قائم اگر اب تک دہر میں اسلام کا — سرور کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

عشق طیبہ دل میں سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے

کعبہ میں آگئے صنم بتکدہ بن گیا حرم

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہل راز کا — رنگ دکھاؤں میں تمہیں بزم کے سوز و ساز کا
جھوم رہے ہیں نشہ میں حور و ملائک و بشر — جوش ہے کائنات میں میکدۂ مجاز کا
غلغلہ ہے مچا ہوا عرش سے تا بام فرش تک — مسلم دل فگار کے نالۂ جاں گداز کا
عزت حق کی بجلیاں کوند رہی ہیں ہر طرف — ترک فلک کو حکم ہے اک نئی ترکتاز کا
ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو — حیلہ نہ چل سکا کہیں جان بہانہ باز کا

مشتر قیوں کے واسطے سایہ ہے عین آفتاب	فلسفہ ہے یہ مغربی نورِ نظر نواز کا
کعبہ میں آ گئے صنم بتکدہ بن گیا حرم	قبلہ ہی وہ نہیں رہا رخ ہو کدھر نماز کا
زہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے پیو ضرور	ہم کو یہی اشارہ ہے ان کی نگاہِ ناز کا
تاب نہیں جو سن سکوں کیجیے اسکو مختصر	قصہ بہت طویل ہے کفر کے حرص و آز کا

وقتِ دوا گذر گیا عہدِ دعا ہوا قریب
ناصیۂ مریض کو اذان ہو امتیاز کا

ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں

علامہ شبلی نعمانی

کل مجھکو چند لاشۂ بیجاں پڑے نظر	دیکھا قریب جاکے تو زخموں سے چور ہیں
کچھ طفلِ خورد سال ہیں جو چپ ہیں خود مگر	بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں
آئے تھے اس لیئے کہ بنائیں خدا کا گھر	نیند آ گئی ہے منتظرِ نفخِ صور ہیں
کچھ نوجواں ہیں بے خبرِ نشۂ شباب	ظاہر ہیں گرچہ صاحبِ عقل و شعور ہیں
اٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بیدریغ	مجرم کوئی نہیں ہے مگر ہم ضرور ہیں
سینے پہ ہم نے روک لیے برچھیوں کے وار	از بسکہ مست بادۂ ناز و غرور ہیں
ہم آپ اپنا کاٹ کے رکھدیتے ہیں جو سر	لذت شناسِ ذوقِ دلِ ناصبور ہیں
کچھ پیرِ کہنہ سال ہیں دلدادۂ فنا	جو خاک و خوں میں بھی ہمہ تن غرقِ نور ہیں

پوچھا جو میں نے کون ہو تم آئی یہ صدا
ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں

آئینۂ حقیقت

فخرِ قوم مولانا ظفر علیخاں

کسی نے تو ہتیا لیا ہے مراکو، — کوئی تاکتا ہے پڑا پرشیا کو،
جہاں میں حکومت ہے طاغوتیوں کی — بھلایا ہے بندوں نے اپنے خدا کو
نہ اپنے نہ اسلام کے کام آئی — یہ شکوہ ہے جانِ حزیں سے قضا کو
گرے گی کوئی دم میں غیرت کی بجلی — وہ ٹھکرا رہے ہیں مری التجا کو
مسیحا ہے جس کا لکھا تا ہوں نسخہ — نہیں درد پر کوئی حق اس دوا کو
مرے چارہ گر ہیں جنابِ محمد — وہ سرکار کافی ہے میری شفا کو
گداز اور رقت سے خالی ہوا دل — اثر رو رہا ہے ہماری دعا کو
عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر — ہمیں دیکھنا چاہیئے انتہا کو
عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن — دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفٰے کو
وہ نورِ حقیقت رسولِ خدا نے — منور کیا جس سے غارِ حرا کو
چمکتا ہوا سارے مشرق میں پھیلا — کیا روشن اس نے تمام ایشیا کو
پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں — جدا نقشِ واللیل سے والضحیٰ کو

ضلالت کی شب ہائے عاشق کی ظلمت — نہیں مٹ سکتی ہے اس انجلا کو

ہے مسلم کے سینے میں یہ نور پنہاں — شرر آگ میں جس طرح چھپ رہا ہو
اگر پھر اکھ بہت جائے پھر یہ شرارہ — زمانے کی منقل کو آتش نما ہو
اگر شرط منقل فروزی یہی ہے — کوئی حجّت منتظر رو کشا ہو
کیا ہم سے جو وعدہ قراں میں تو نے — بہت جلد وہ وعدہ یا رب وفا ہو
کر انصاف تو ہی کہ کیا یہ روا ہے — ذلیل اس طرح امت مصطفےٰ ہو
معلق ہو کوہ غم اسلامیوں پہ — مصیبت میں چھوٹا بڑا مبتلا ہو
برس جائے پھر تیری رحمت کا بادل — پھر اسلام کا باغ یا رب ہرا ہو

ہو یہ ملتفت زینت گوش مسلم
کہ افسانۂ اسلام کا بیج رہا ہو

بربادی مسلم کا غم شہیدان ستم کو

نامعلوم

میں جو گذرا طرف عالم روحانیت — نظر آئے مجھے وہیں شہیدان ستم
ان کے چہروں پہ یکساں ہر نظر تابناک تھا — ان کی پیشانیوں پہ صبح ازل کا عالم
کفن نور یہ ہر پیکر نور افشاں ہو — ہووے کا نور جنان بود و باغ آرام

جا بجا خون کے چھینٹے تھے کفن پر اتنے
بر صفا جسم کفن میں جو نظر آتا تھا
خاک آلود تھے بال و رہین خوں آگیں
ان کی آنکھوں سے ٹپکتی تھی مری مایوسی
ان کی حالت پہ مجھے حسرت و حیرت جو ہوئی

صبحدم پھول پہ چھا جاتی ہے جیسے شبنم
شمع فانوس کا نظارہ تھا گویا باہم
آہ ہر پیکر تصویر تھا نقش ماتم
تحیر کشمکش روح تھے نقش مبہم
پوچھ بیٹھا سبب کثرت اندوہ و الم

اپنی ہستی کو جو دنیا میں مٹایا تم نے
کچھ خدا سے صلۂ ظلم بھی پایا تم نے

ان کے پیکر کو ہوئی لغزش ہستی اکبار
ہاتھ رکھ کر مرے سر پہ کہا آہستہ
ہمیں خالق سے ملا ہے یہ شہادت کا صلہ
راتدن سینکڑوں خدمت کیلئے حوریں ہیں
دے مسلمانوں کو ہم سب کی طرف سے پیغام
شرف اندوز ہوئے دولت دیدار سے ہم
خلش رفتہ سے وہ پائی ہے لذت ہم نے
ہے پریشانی خاطر جو بایں اطمینان

اور بڑھا میری طرف ایک جسد خاک بسر
آشنا ہیں تجھے ہم حالت جان مضطر
کہ ہمارے لئے ہے جنت فردوس میں گھر
بہرہ اندوز ہیں نعمائے کرم سے اکثر
کہ بہر رو ئیں نہ تڑپیں نہ کریں حال بتر
جلوۂ حسن حقیقت ہوا محو نظر
اور زخموں کی تمنا ہے باندازِ جگر
اسکی ایک وجہ ہے سن اور کچھ افسوس نکر

رنج اپنا ہے نہیں اور نہ اولاد کا ہے
غم فقط بیکسی مسلم برباد کا ہے

خود فراموشی

جناب نیاز فتحپوری

اے مسلماں وہ مذاقِ پیشدستی کیا ہوا
کیا ہوا وہ اضطرابِ نبضِ ہستی کیا ہوا

مانعِ طوفاں نوائے شوکتِ ساحل نہیں
سنگِ رہ فرسودگیِ ہمتِ راحل نہیں

آ گیا باہر مذاقِ سیرِ نکہت کو لئے
رہ گئی دیوارِ گلشن اپنی رفعت کو لئے

خود فراموشی ہے قصرِ بے نیازی کا نشاں
راہِ فطرت ڈھونڈھتا ہے جیب و دامن میں کہاں

ہو سکے عنوانِ مطلب سے ضیا کا اقتباس
لے گدازِ شمع سے تو درسِ طرزِ التماس

جوہرِ آئینۂ دل کو ذرا بے تاب رکھ
ہستیِ سیماب وش کو صورتِ سیماب رکھ

ذوقِ نظارہ ہو منت کش تری پرواز کا
برق ہر جلوہ سے پیدا ہو تقاضا ناز کا

غنچۂ دل میں تجھے ظالم پریشانی بھی ہے
کسوتِ جلوہ سے تیرے چاک دامانی بھی ہے

شورشِ ذوقِ نظر پہ گراں جانی تری
خامشی عنوانِ صبح کی کیوں نالہ سامانی تری

جمعِ اجزا میں ہیں ہستی کی حریف انگیزیاں
سیکھ لے غنچے سے تو دامن میں گلشن ریزیاں

کیا تمیزِ انعکاسِ شاہدِ مقصود ہو
صیقلِ آئینۂ ہستی جو زنگ آلود ہو

بال و پر تجھ میں نہیں بامِ حرم کو چھوڑ دے
سنگ ہے تو شکوۂ پائے صنم کو چھوڑ دے

تو وقیعِ خوارِ جنوں تھا شکستہ فرزانہ تھا
حلقۂ زنجیر بھی تجھ کو خطِ پیمانہ تھا

اہل مغرب کی چالیں

سید الاحرار مولانا حسرت موہانی

غضب ہے کہ پابندِ اغیار ہو کر
مسلمان رہ جائیں یوں خوار ہو کر

سمجھتے ہیں سب اہل مغرب کی چالیں
مگر پھر بھی بیٹھے ہیں بیکار ہو کر

اٹھے ہیں جفا پیشگانِ مہذب
ہمارے مٹانے پہ تیار ہو کر

تقاضائے غیرت یہی ہے عزیزو
کہ ہم بھی رہیں ان سے بیزار ہو کر

ابھی ہم کو سمجھے نہیں اہل مغرب
بتا دو انہیں گرم پیکار ہو کر

فریب و دغا کے مقابل میں تم بھی
نکل آؤ بے رحم و خونخوار ہو کر

کہیں صلح و نرمی سے رہ جائے دیکھو
نہ یہ عقدۂ جنگ دشوار ہو کر

یہ ترک و عرب ٹھان لیں اپنے دل میں
رہیں گے نہ محکوم کفار ہو کر

وہ ہم کو سمجھتے ہیں احمق جو حسرت
وفا کے ہیں طالب دل آزار ہو کر

رایتِ حریت

قبضۂ یثرب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے
اب تو انصاف اس ستم کا دستِ پیغمبر میں ہے

جور یورپ ہے بنا بیداری اسلام کی
خیر ہے در اصل یہ تا آنکہ شکلِ شر میں ہے

خاطرِ افسردہ میں باقی ہے لیکن پاسِ عشق
گرمیِ آتش ہنوز اس مشتِ خاکستر میں ہے

قلتِ افواجِ ٹرکی پہ نہ ہو اتنی دلیر
ایک ہے سو کیلئے کافی جو اس لشکر میں ہے

اب خدا چاہے تو حسرت جلد ہوتا ہے بلند
رایتِ حریت و حق جو کفِ انوار میں ہے

آئینۂ ملت

جناب سخن گو خاتون علیگڑھ

آہ پوری قوم کا نقشہ کیسا عبرت انگیز دکھایا ہے۔ خدا ہماری قوم کی حالت پر رحم کرے

شہا ہر ایک قوم کو ذرا بلا کے دیکھنا
دگرنہ ازرہِ کرم جہاں میں آ کے دیکھنا

خراب سب کے حال ہیں قبیح سب کے حال ہیں
یہی ہے امتِ آپ کی قریب جا کے دیکھنا

قسم ہے یادِ نامِ حق ثنائے ذکرِ میرِ عرب
کرشمے ان کے شیشۂ یقیں نما کے دیکھنا

ادائے حق کو دیکھ کر قضا کریں نماز کو
اسی کی سمت فرض انہیں نگاہ جما کے دیکھنا

محبتِ دیں کی طرف حرم نشیں کی قسم
قسم ہے تیری قوم کو نظر اٹھا کے دیکھنا

کوئی ہے اہلِ دہر کو مری طرف سے نوید
حرارت کا پتہ نہیں حرم کو جا کے دیکھنا

سبو بھی مستیاں بھی ہیں صنم پرستیاں بھی ہیں
شیوخِ دین کے قصر کو قدم بڑھا کے دیکھنا

بنا کے لائی آئینہ صفائے طبعِ ہر قوم
مچے گی کیسی کھلبلی ذرا دکھا کے دیکھنا

عید قربان

مولانا شوکت علی صاحب نے بمقام ناگپور یہ نظم اپنی زبان سے ارشاد فرمائی تھی یہ معلوم نہیں کہ کن کی ہے

شان دنیا سے نرالی ہے مسلمانی کی — ہے خوشی عید کی اور عید بھی قربانی کی
بسکا تو بندہ ہے یہ بھی ہے اسی کا فرمان — خواب میں آکے یہ خود سلسلہ جنبانی کی
چاہتا ہے جو صلہ حق سے تو قربانی کر — خون کی قدر ہے کچھ قدر نہیں پانی کی
مال موجود نہیں جان ہی قربان کر دے — وجہ معقول نہیں بے سر و سامانی کی

ہر مسلمان کے لئے حکم ہے یکساں اس کا
اس میں تخصیص نہیں ترکی و افغانی کی

خیالات عزیز بریلوی

بند کی جاتی ہے اسلامی جرائد کی زباں — جبر و استبداد کا دیکھو تو یہ جوش و خروش
سلب آزادی تحریر کے احکام وقت — جلتے ہیں سینۂ مسلم سے مٹ جائیگا جوش
ولنے لکھنے کی آزادی نہ جب ہوگی عطا — آپ ہی ہو جائیں گے آخر کو سب کے سب خموش
املان امر بالمعروف میں وقف عتاب — ہے بغاوت کا مرادف آج کل ایماں کا جوش
جرم اتنا ہے کہ کیوں ہم ہیں بقدر صاف گو — دیکھ کر ظلم و ستم ہم کیوں نہیں رہتے خموش

تو متاع دل کو لوٹے اور ہم دیکھا کریں
کیوں یہی منشا ہے او غارتگر ایمان عشق

ترانۂ حقیقت

فخر قوم مولانا ظفر علی خاں

ڈالا کسی نے ڈاکا مارا کسی نے چھاپا
رہتے ہیں تار و گٹر و میں جناب پایا

روتی ہے تجھکو یورپ افریقہ کی یتیمی
اور تجھکو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا

انصاف اور ایمان ہم کو نظر نہ آئے
مغرب کو ہم نے چھانا مشرق کو ہم نے ناپا

گاتے ہیں روس و اٹلی ملکر کھرج میں اسکو
پنجم کی لے میں جو راگ ابلیس نے الاپا

ہر تیر اس کماں کا جوشن گزار ہوگا
لائق نہیں ہنسی کے اسلام کا بڑھاپا

جو چاہے حرج کرے کیا ڈر ہے پانیر کو
اپنے ہی گھر کی بجلی اپنے ہی گھر کا چھاپا

نہ یہ تھا ہمارا مسلک جفا تمھارا
ہم نے تمھیں سراہا تم نے ہمیں سراپا

ہندوستاں کی قومیں کچھ سوکنیں نہیں ہیں
کس واسطے پھر ان کو آپس میں ہے جلاپا

ہیں مسلم اور ہندو ہندوستاں کا زیور
وہ راستی سراسر وہ مخلصی سراپا

جنونِ حریت

اختر رامپوری

رہوں زنداں میں جب تک بشکلِ ماہِ کنعانی
پڑا رہنے دوں کب تک میں گلے میں طوقِ زندانی

رہوں قیدی میں پابجولاں ہمنشیں کب تک
خدا کے واسطے ہٹ جا دکھا دوں تاکہ جولانی

جھٹک کر توڑ دی زنجیر اور زنداں سے بھاگا
جنونِ حریت نے دل میں پیدا کی جو طغیانی

میں کر دوں پارہ پارہ اس لباسِ خود پسندی کو
مجھے مرغوب ہے دل سے وہی پہلی سی عریانی

ستانا چھوڑ دے ورنہ فلک میں آہ سے اپنی
جلا کر خاک کر دوں گا بھلا دوں گا ستم رانی

جگر کو کر دیا ٹکڑے بہا آنکھوں سے سیلِ خوں
مری آہِ رسا نے جب لگایا تیرِ روحانی

عدو کا گھر جلا دیں گے شرارے آہِ سوزاں کے
ڈبو دے گی سمندر کو مری گریہ کی طغیانی

مرا نالہ ہلا دیگا یقیناً سقفِ گردوں کو
چلا جائیگا برباتا ہوا تا عرشِ یزدانی

میں مرہونِ تلاوت ہوں انہیں دستِ ساقی کی
پیا ہے جب سے میں نے ایک جامِ آبِ حیوانی

بس اب ہشیار مسلم تا کجا یہ خوابِ بیہوشی
بنا ہے کس لیے تو آپ اپنا دشمنِ جانی

نقابِ ابر میں چھپ جائیگا ہو کر خجل اختر
دکھائی داغِ دل کی گر کبھی میں نے درخشانی

پیش قدمی احرار ترک در معرکہ شتلجہ

سید ہاشمی فرید آبادی

ادھر اسلامیوں کا نعرہ جادو اثر نکلا
صدائے الاماں سے شور سے یورپ ادھر گونجا
ڈرو کہ شیر استنبول کا عربی ہیر گونجا
شتلجہ کی زمین و صوفیہ کا در ادھر گونجا

دل اسلام دشمن کپکپائے بعد مدت کے
شہیدان تبوک مسکرائے بعد مدت کے

کلیسا جھک گئے نصرانیت کے قصر تھرائے
گھسے یہ جن صفوں میں چیر کر کھلیاں کر آئے
بڑھے اسلام کے فرزند ترکستان کے جائے
زباں جیسے خوں کے زخم مقتولوں کے چلائے

ابھی تک سینہ مسلم میں ذوق رزم باقی ہے
علی کا زور زندہ ہے عمر کا عزم باقی ہے

فکر وطن

علامہ اقبال

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھکو تیرے نوحہ خوانوں میں
ہوائے امتیاز ملت و آئیں کی ہے جو سنتے
غضب کا تفرقہ ڈالا تمہیں نے خرمن دانوں میں

نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے جھگڑے ہو رہے ہیں باغبانوں میں

جہاں خوں رو رہا ہے کارزارِ زندگانی سے
مے غفلت کے ساغر چل رہے ہیں نوجوانوں میں

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

سن اے غافل! صدا میری یہ ایسی چیز ہے جسکو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنیوالی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اسکو! جو کچھ ہو رہا ہے ہونیوالا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

تغیر اس طرح کا محفلِ ہستی میں آیا ہے
کہ ہے چپ بیٹھ رہنا بھی تباہی کے نشانوں میں

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

خلافت اور اسلام

سیّد ہاشمی فرید آبادی

ہاں گرفتارِ بلا اے امتِ خیر البشر
دیدۂ بیم و رجا کس بات کا ہے منتظر

اے غزالِ پاشکستہ سے ہیں مظلوم تر
ڈالتا کیا ہے خلافت پر تو حسرت کی نظر

یاں بنایا جائے گا مرقد ترے ناموس کا
یاں نشاں ہوگا تری ذلّت کے افسوس کا

یاں کھڑی ہوگی عمارت کافرِ گمراہ کی
یاں گھٹا چھایا کرے گی مسلموں کی آہ کی
یاں پریشاں کر دی جائیگی کتاب اللہ کی
خاک میں مل جائیگی عزت رسول اللہ کی
تا نہ پہنچے پائے ہیبت بھی کوئی اس نام کی
لاش پانی میں ڈبو دی جائیگی اسلام کی

کس جہنم کی ہوا تھی جسکا جھونکا چل گیا
ایک مدت سے جو اسکے رہی تھی سسکیاں
باغ تیرہ سو برس کا لہلہاتا جل گیا
اس مریضِ نیم جاں کا آج منکا ڈھل گیا
دفعتاً کوہِ غم و اندوہ سر پر آ پڑا
ایک ہچکی میں کلیجہ منہ کے باہر آ پڑا

کیا یہ سچ ہے دینِ احمد کا نچا دل اور جگر
کیا ابھی تک قبر سے باہر نہیں نکلا عمر
کیا دعائیں کلمہ گویوں کی گئیں سب بے اثر
تا کہ دیکھے مسلموں کے خاک و خوں آغشتہ سر
انہدامِ گوشۂ اسلام اگر دیکھ لے
وہ دریدہ روضۂ اطہر کی چادر دیکھ لے

حصہ دوم

جذبات حریت زیر طبع ہے

٣١٠٧٣